Academic Discipline for Quranic Higher Education

تخصص علوم وحکمت قرآن کے لیے مقررہ نصاب کے مطابق

اصطلاحات قرآن



الاستاذ: ابوالفضل نور احمد سندھی

ناشر

جامع مسجد ربانی، ہائی وے کالونی، سیکٹر C-18، اسکیم-33، نزد جمالی پُل، M-9 موٹروے، کراچی

فون: 0313-2707097

www.hikmatequran.org hikmatequran@gmail.com Hikmat-e-Quran Institute

رَبَا یَرْبُوْ زیادہ ہونا۔ بڑھنا۔ پھولنا۔ (تاج العروس، محیط المحیط) رَبَا فَلَانٌ فلان اونچی جگہ پر چلا گیا۔ (راغب اصفہانی)

رَبَا السَّوِیْقُ۔ اس نے ستو میں پانی ملایا اور اس طرح ستو پھولا۔ (تاج العروس و محیط المحیط)

لِّیَرْبُوَا۟ فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ (الروم:۳۹) "تاکہ لوگوں کے مال میں بڑھوتی ہو۔"

رَبْوَۃٌ کو رَابِیَۃٌ بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ چیز جو اوپر چڑھ جائے۔ جو اوپر آجائے۔

فَاحْتَمَلَ السَّیْلُ زَبَدًا رَّابِیًا ؕ (الرعد:۱۷) "پھر نالے پر خس و خاشاک یا جھاگ اوپر آگیا۔"

اَخَذَۃً رَابِیَۃً سخت گرفت۔ بہت زیادہ بڑھی ہوئی گرفت (تاج العروس و محیط المحیط)

اَلرِّبَا رَاس المال یعنی اصل سرمایہ پر جو بڑھوتی لی جائے وہ ربوٰ کہلاتی ہے۔ (مفردات راغب اصفہانی)

قرآن حکیم نے الرّبٰو کو یہ کہہ کر حرام قرار دیا ہے کہ وَ اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ (البقرہ: ۲۷۵) "اللہ نے بیع کو حلال ٹھہرایا ہے اور ربوٰ کو حرام۔" بیع میں رأس المال + محنت کا معاوضہ (اجرت) واپس ملتے ہیں۔ اور ربوٰ میں رأس المال + رأس المال کا معاوضہ ملتا ہے۔ اجرت حلال ہے، رأس المال کا معاوضہ حرام ہے، خواہ وہ سود کے نام سے پکارا جائے یا تجارت کے "منافع" کے نام سے۔ قرآن حکیم کے معاشی نظام میں رأس المال پر اضافہ کسی شکل میں بھی جائز نہیں ہو گا۔ اس حکم میں ربوٰ کی جتنی بھی قسمیں آئیں گی وہ باطل و حرام شمار ہو نگی۔ مذکورہ آیت میں جملہ معاشی معاملات کے جواز و عدم جواز سے متعلق ایک اصولی تصور اور کلّی ضابطہ بیان ہوا ہے جس کی روشنی

میں یہ سمجھا اور معلوم کیا جا سکتا ہے کہ جو معاشی معاملات اپنی حقیقت و ماہیت، اپنی وضع و ساخت اور اثرات و نتائج کے لحاظ سے معاملات بیع و تجارت کی طرح ہیں وہ قطعی طور پر حلال و جائز ہیں۔ اور جو معاملات ربوٰ کی طرح ہیں وہ قطعی طور پر حرام و ناجائز ہیں۔ اگر تجارت میں بھی کوئی شخص اپنی محنت سے زائد منافع لیتا ہے تو وہ بھی ربوٰ کی طرح باطل و حرام ہے۔ اگر زرعی پیداوار میں بھی کوئی شخص اپنی محنت سے زائد منافع لیتا ہے تو وہ بھی ربوٰ کی طرح باطل و حرام ہے۔ اگر سرکاری ڈیوٹی میں بھی کوئی شخص اپنی ذمیداریوں سے عہدہ برآ نہیں ہوتا اور اپنی محنت سے زیادہ معاوضہ / تنخواہ لیتا ہے تو وہ بھی ربوٰ کی طرح باطل و حرام ہے۔ آج کل کی اصطلاح میں اسے Unearned Income کہتے ہیں یعنی وہ آمدنی جو محنت سے نہ کمائی جائے۔

سورۃ آل عمران میں ہے:

لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ (آیت:۱۳۰)

"سود کی کمائی سے اپنا پیٹ نہ بھرو جو (قرض کی اصلی رقم میں مل کر) دگنی چگنی ہو جاتی ہے۔"

بظاہر انسان اس کو بڑا نفعہ اور اضافہ سمجھ کر اس سے پیٹ بھرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن درحقیقت اس سے انسان کے مال میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رزق میں بڑھوتی کے جو قوانین رکھے ہیں اس میں یہ واضح ہے کہ بنیادی ضرورتوں کے بعد اپنے رزق کو کھلا رکھنے یعنی انفاق کرنے سے رزق میں بڑھوتی ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں واضح ارشاد ہوا ہے کہ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ (البقرہ:۲۷۶) "اللہ سود (کے مال کو) گھٹاتا ہے اور خیرات (والے مال کو) کو بڑھاتا ہے۔"

يَمْحَقُ کا مصدر محق ہے۔ اس کا معنی ہے کسی چیز میں پے در پے کمی کرنا کہ رفتہ رفتہ

وہ ختم ہو جائے، فانی وزائل ہو جائے۔ یَمْحَقُ کے مقابلہ میں یُرْبِی بیان ہوا ہے جس کا مطلب ہے کہ اصل بڑھوتی بڑھنا، پھولنا، اضافہ ہونا صدقات کا ہے۔ قرآن حکیم نے یہ بات اور زور سے اس طرح بیان کی ہے:

وَ مَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَا۟ فِیْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ مَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾ (الروم:۳۹)

"اور جو سود پر تم دیتے ہو کہ لوگوں کے اموال میں مل کر زیادہ ہو جائے تو وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا۔ جو صدقہ تم اللہ کی رضا جوئی کے لیے دوگے تو وہی لوگ مال بڑھانے والے ہیں۔" قرآن حکیم نے جو معاشی نظام تجویز کیا ہے اس میں مال کو مال کے ذریعہ سے بڑھانے کی کہیں گنجائش نہیں۔ جب اس میں دولت کا جمع کرنا ہی منع ہے تو پھر اس میں مضاربہ یا دیگر ناموں سے مال پر مال بڑھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس میں قُلِ الْعَفْوَ کا حکم ہے یعنی اپنی ضرورت سے زیادہ سب کا سب مال خرچ کر دو۔

وَ الَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳۴﴾ (التوبہ:۳۴)

"اور جو لوگ چاندی سونا اپنے ذخیروں میں ڈھیر کرتے رہتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو عذاب دردناک کی خوشخبری سنادو۔"

جس معاشرے میں قرآنی اصولوں پر قائم حکومت ہو گی تو وہ زائد از ضرورت مال کو اجتماعی / اشتراکی مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی ذمہ دار ہو گی جہاں یہ حکومت قائم نہیں ہو گی تو اس صورت میں زائد از ضرورت اموال کو خرچ کرنے کے پانچ ذرائع ہیں:

۱. پہلا طریقہ یہ ہے کہ ایسے اموال (نقدی و زر، جائداد، اپنی کاشت سے زائد

زمین وغیرہ) کو فی سبیل اللہ کاموں، انسانی نفعہ بخشی اور معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کر دیا جائے۔

۲. دوسری صورت یہ ہے کہ انفاق کے لازمی نصاب کی تکمیل کے بعد اس مال و دولت سے کاروبار کریں، زمینیں آباد کریں، صنعتیں لگائیں اور اسی مال کو امین کے طور پر اس طرح گردش میں لائیں کہ ہزاروں انسانوں کی ضرورتیں پوری کرنے میں مددگار ہو۔

۳. تیسری صورت یہ ہے کہ اس سے زمین، جائداد اور دیگر ملکیت بنا کر ان کو کرایوں پر چڑھا کر اس زائد مال سے اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً پیدا کرنے کا حیلہ اختیار کیا جائے۔

۴. چوتھی صورت ان اموال فاضلہ کو کہیں بھی استعمال نہ کرنے اور انہیں تجوریوں، بینکوں اور بانڈز کی صورت میں منجمد کرنے کی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کنز قرار دیا ہے اور فرما دیا ہے کہ ایسے افراد کو عَذَابٍ اَلِيۡمٍ کی خبر دے دو۔ (التوبہ:۳۴)

۵. پانچویں اور سب سے زیادہ قبیح صورت یہ ہے کہ ان اموال فاضلہ کو کرایہ پر چڑھا دو۔ اس کو قرض بنا کر اس پر ان سے سود وصول کرو۔

ان پانچ صورتوں میں دو پہلی صورتیں پسندیدہ ہیں اور تین سخت ناپسندیدہ۔ کیونکہ یہ موخر الذکر تینوں صورتیں قرآن حکیم کے حکم لَا تَاۡكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ (آل عمران:۱۳۰) کا نتیجہ ہیں۔ جس میں صاف صاف حکم ہے کہ اپنا زائد از ضرورت مال بینکوں اور تجوریوں میں رکھ کر اور جائدادوں اور سودی قرضوں پر دے دے کر دوگنا چوگنا کر کے مت کھاؤ۔ تیسری چوتھی صورت میں روپیہ سے روپیہ کمانے اور اس کو کنز

کرنے والوں کو فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ کی نوید سنائی گئی ہے۔ اس لیے کہ جو لوگ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فرمایا ہے کہ جو "اس سب کے سب کو خرچ نہیں کرتے۔" ان کے لیے عَذَابٍ اَلِيْمٍ ہے۔ اس آیت میں توجہ طلب بات یہ ہے کہ جو لوگ "اس میں سے خرچ نہیں کرتے" کا ذکر نہیں بلکہ جو "اس سب کے سب کو خرچ نہیں کرتے" ان کے لیے عذاب الیم ہے۔ پانچویں صورت والے تو اللہ تعالیٰ کے اور شدید غضب کے حقدار ہیں۔

مال زائد کو سود پر دینے کے متعلق یہ احکامات اتنے سخت تھے کہ مسلمانوں سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر تم مقروضوں کو دے چکے ہو تو اسے بھی چھوڑ دو۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾

(البقرہ:۲۷۸)

"مسلمانو! اگر فی الحقیقت تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اس سے ڈرو (اس کے قوانین پر چلو) اور جس قدر سود مقروضوں کے ذمے باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔" اس سے اگلی آیت ہے کہ

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ (البقرہ:۲۷۹)

"اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ (کیونکہ ممانعت کے صاف حکم کے بعد اس کی خلاف ورزی کرنا اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف جنگ آزما ہو جانا ہے۔) اور اگر (اس باغیانہ روش سے) توبہ کرتے ہو تو پھر تمہارے لیے (یہ حکم ہے کہ) اپنی اصلی رقم (لے لو اور سود چھوڑ دو۔) اللہ

تعالیٰ کے قوانین اس طرح ہیں کہ نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ تمہارے ساتھ ظلم کیا جائے۔"

اس آیت میں واضح کہا گیا ہے کہ اگر تم سود خوری سے باز نہ آئے تو یقین کر لو تم نے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کا اعلان کر دیا ہے۔ "بِحَرْبٍ" میں حرب کو نکرہ کی صورت میں ذکر کرنے کی غرض یہ ہے کہ اس جنگ کا عظیم و بہت بڑا ہونا یا اس کی نوعیت کو بیان کیا جائے۔ یعنی اس مطلب کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرنا معمولی و عام بات نہیں ہے بلکہ یہ بہت بڑی جنگ یا شدید نوعیت کی جنگ ہے۔ قرآن حکیم کہتا ہے کہ یہ یہودیوں کی روایت بن گئی تھی کہ وہ سود کے منع کرنے کے باوجود لوگوں کا مال باطل طریقوں سے ہڑپ کر لیتے تھے:و

"اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾ (النساء:۱۶۱)

"نیز ان کی یہ بات کہ سود لینے لگے، حالانکہ اس سے روک دیئے گئے تھے، اور یہ بات کہ ناجائز طریقے پر لوگوں کا مال کھانے لگے (حالانکہ انہیں ہر انسان کے ساتھ دیانت دار ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔) اور (یاد رکھو!) ان میں جو لوگ (اس طرح احکام حق کے) منکر ہو گئے ہم نے ان کے لیے (پاداش عمل میں) دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

ربا کے مسئلہ میں اس کے اصل معنی اموال فاضلہ کو سمجھنا ضروری ہے۔ وہ اس طرح کہ ان کو کنز بننے اور کرایہ داری کا ذریعہ بننے سے بچایا جائے۔ تاکہ دولت صرف اغنیاء کے ہاتھوں میں نہ رہے۔ پیسہ سے پیسہ کمانے کے لیے ربا کو قسموں میں تقسیم کرنا کہ یہ رباء بالنّسیہ ہے اور یہ رباء الفضل ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مکر اور چالاکیاں کرنے کی کوششیں ہیں۔ ملوکیت کے اثر میں بادشاہوں اور سلاطین کے ذاتی خزانوں کو

تحفظ دینے کے لیے کنز نہ کرنے اور زائد مال سب کا سب خرچ کرنے کے متعلق آیات کو ڈھکنے کے لیے روایتیں گھڑی گئیں کہ ھٰذا قبل ان تنزّل الزّکوٰۃ کہ یہ احکام زکوٰۃ کے حکم سے پہلے آئے تھے۔ جب زکوٰۃ کا حکم آگیا تو اموال کو کنز کر لینا اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے پر عذاب الیم کی وعید، زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے کی بات ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سورۃ توبہ (آیت ۳۴) سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ایک سورۃ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے اس کی کمائی کا ایک اصول مقرر کیا ہے: لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ (النجم: ۳۹) ”انسان کے لیے وہی ہے جس کے لیے وہ محنت کرے۔“ یعنی قرآن صرف محنت کا معاوضہ جائز قرار دیتا ہے اور یہ محنت ہی سرمائے کی بنیاد ہے۔ وہ سرمایہ استعمال کرنے کا معاوضہ جائز قرار نہیں دیتا۔ کارل مارکس نے ڈیڑھ سو سال قبل محنت کو سرمائے کی بنیاد بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا لیکن قرآن حکیم چودہ سو سال پہلے یہ اصول انسانوں کے لیے رہنما بنا چکا تھا۔

قرآن حکیم نے یہ بھی بتایا کہ جب نہ سرمایہ لگایا جائے نہ محنت کی جائے تو وہ آمدنی جوئے کی ہے۔ اس قسم کی دولت کو رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ (المائدہ:۹۰) کہہ کر اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیم یہ ہے کہ انسان محنت اور کوشش سے کمائے اور جو کچھ اپنی ضروریات سے زائد ہو اسے نوع انسان کے فائدہ کے لیے عام کر دے۔

انسان ربوٰ کو اپنے مال میں بڑھوتری کے لیے اختیار کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے رزق کے بسط و کشاد کے جو قوانین بنا دئے ہیں ان کی رو سے ربٰو کے ذریعے رزق میں بڑھوتی ممکن ہی نہیں ہے۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ (الروم:۳۹)

"اور جو سود پر تم دیتے ہو کہ لوگوں کے اموال میں مل کر زیادہ ہو جائے تو وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا۔" قرآن حکیم کی اسی آیت میں ساتھ ہی فرمایا ہے کہ

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝

"اور جو (دوسروں کی مدد و نشوونما کے لیے اپنے مال اور محنت کا) تزکیہ کے طور پر تم اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے دوگے تو وہ آپ کے دیے ہوئے کو وہ (اللہ) بڑھا رہے ہیں۔" عام زندگی میں بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ مال زائد کو اوپر بیان کیے گئے آخری تین طریقوں سے خرچ کرنے سے لوگوں کے پاس مال آ رہا ہوتا ہے اور بظاہر بہتات اور عیش و عشرت بھی نظر آتا ہے لیکن ایسا مال کئی مصیبتیں، بے چینی، بیماریاں اور خسارے اپنے اندر سمائے ہوئے ہوتا ہے۔ جس کے لیے قرآن حکیم نے کہا ہے کہ وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا۔ وہ چیز ایک دم ختم نہیں ہوتی بلکہ رفتہ رفتہ ختم ہو جاتی ہے جس کو قرآن حکیم نے يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا کہا ہے۔ اس کے برعکس مالِ زائد خرچ کرنے سے برکتیں، سلامتی خوشگوار زندگی اور اللہ تعالیٰ کی رضا و محبوبیت کی وجہ بنتا ہے۔ جس کو قرآن حکیم نے يُرْبِي الصَّدَقٰتِ کہا ہے۔ اور سب سے بڑی بات آدمی اللہ تعالیٰ کی سرکشی سے بچ جانے کی وجہ سے جہنم کی آگ اور عذاب الیم سے بچ جاتا ہے۔

❖❖